حقیقت کی تلاش

حقیقت کی تلاش

از

پیر بخش "طیّب سلیم"

ناشرین

ایم۔ آئی۔ کے

۳۶ فیروز پور روڈ۔ لاہور

بار ـــــــــــــــــــ پنجم

تعداد ـــــــــــــــــــ ایک ہزار

ہدیہ ـــــــــــــــــــ ۷ روپے

سنہ ٢٠٠٣ء

جملہ حقوق بحق ناشرین محفوظ ہیں

مینجر ایم۔آئی۔کے ٣٦ فیروز پور روڈ، لاہور نے مُوسیٰ کاظم پرنٹرز، لاہور سے
چھپوا کر شائع کیا۔

حِصّہ اوّل

بائبل مُقدّس کی صداقت

ا۔ وحدتِ بائبل

ہم سب حقیقت کی تلاش میں ہیں ۔ ہم میں سے بعض لوگوں نے اِس حقیقت کو پالیا ہے اور باقی اِس جستجو کو جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ اِس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت خود خدا ہے ۔ اگر ہم تمام علوم حاصل کرلیں لیکن ذاتِ باری تعالےٰ سے لاعلم رہیں تو ہمیں کچھ فائدہ نہیں ۔

لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم محدود انسان اپنے محدود علم اور محدود ذہن کے ساتھ خدا کو جو لامحدود ہے جان نہیں سکتے ۔ پس لازم ہے کہ خدا خود اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کرے اور اُس نے ایسا کیا بھی ۔ چنانچہ اُس نے مختلف اوقات میں، مختلف مقامات پر مختلف لوگوں کو چُنا تاکہ اُن کے ذریعے اپنے آپ کو ظاہر کرے ۔ یہ لوگ جنہیں خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے چُنا انبیاء کہلائے ۔ خُدا کے اِن برگزیدہ بندوں نے اُس کے پیغام کو لوگوں تک زبانی اور تحریری دونوں صورتوں میں پہنچایا ۔

وُہ متعدد کتابیں جو اِن انبیائے کرام کی معرفت ہم تک پہنچی ہیں، اُن کے مجموعہ کو ہم کتابِ مُقدّس یا بائبل کہتے ہیں ۔ اس کے دو حصّے ہیں ۔ ایک پرانا عہدنامہ جو توریت (پیدائش ، خروج ، احبار، گنتی اور استثنا) ، زبور اور صحائفِ انبیاء پر مشتمل ہے ۔ دوسرا حصّہ نیا عہدنامہ کہلاتا ہے جو اناجیل ، خطوط اور مکاشفہ کی کتاب پر مشتمل ہے ۔ عجیب و غریب بات جو یہاں ہمارے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ بائبل مُقدّس ایک کتاب نہیں بلکہ

بہت سی کتابوں کا مجموعہ ہے ۔ اِس کا لکھنے والا ایک شخص نہیں بلکہ چالیس سے زیادہ افراد ہیں ۔

پھر اِس پر مستزاد یہ کہ وہ تمام افراد ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے ۔ وہ مختلف زمانوں اور مختلف مقامات پر رہتے تھے ۔ اُن کی اپنی حیثیت بھی مختلف تھی ۔ اُن میں کوئی بادشاہ تھا تو کوئی چرواہا، کوئی ماہی گیر تھا تو کوئی بہت بڑا عالم ۔ اگر ایسے لوگوں کی تصنیفات کو جو مختلف پس منظر، مختلف زمانہ اور مختلف اہلیت کے حامل ہوں اور جن کی پہلی تصنیف اور آخری تصنیف میں ۱۶۰۰ سال کا عرصہ ہو یکجا جمع کردیا جائے تو ظاہر ہے کہ اُن میں کوئی وحدت نہیں پائی جائے گی ۔ ہم اپنے تجربہ سے بھی جانتے ہیں کہ جب ہم ایک ہی موضوع پر دو مختلف مصنفین کی کتابیں پڑھتے ہیں تو اُن میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے ۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جب ہم بائبل مُقدّس کا مطالعہ کرتے ہیں جو ۶۶ کتابوں کا مجموعہ ہے تو اُس میں بے حد وحدت پاتے ہیں ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ایک ہی کتاب پڑھ رہے ہیں ۔ یہ وحدت جو انسانی طور پر ناممکن ہے اِس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ بائبل کے تمام مصنفین کے پس پشت کوئی مافوق الفطرت قوت یا ذہن کام کر رہا تھا اور ہم جانتے ہیں کہ وہ ذہن خدا کا ذہن تھا ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اُن کے درمیان بھی اختلافات پائے جاتے اور اُن میں تطبیق نہ ہوتی ۔

بائبل مُقدّس کا حقیقی مُصنف خدا ہی ہے جس نے اپنا پیغام ہم جیسے انسانوں کے وسیلے سے ہم تک پہنچایا ۔ لیکن اُس نے اُن افراد کو مشین یا اِملا لکھنے والوں کے طور پر استعمال نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے خُدا کے پیغام کو اپنے الفاظ، اپنی قابلیت اور اپنی طرزِ تحریر کے مطابق لکھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ

ہر کتاب کی زبان اور طرز دوسروں سے مختلف ہے تاہم اُن کے مضمون میں تسلسُل اور وحدت پائی جاتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف عبرانیوں کے خط کا مصنّف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصّہ بہ حصّہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کرکے اِس زمانے کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا . . ." (عبرانیوں ۱:۱، ۲)۔

اس حوالے میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خدا نے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کی معرفت کلام کیا اور اب اُس کلام کو یسوؔع المسیح میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا، یعنی جو کلام انبیاء کو دیا گیا وہ مسیح میں پُورا ہوتا اور اختتام کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم پرانے عہدنامہ یعنی توریت، زبور، صحائفِ انبیاء کو نہ پڑھیں تو ہم نئے عہدنامہ یعنی انجیل کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور یہ اس بات کا ایک واضح ثبوت ہے کہ بائبل مُقدّس میں کامل وحدت پائی جاتی ہے۔

۲۔ حقانیتِ بائبل

لیکن ممکن ہے کہ کتابِ مُقدّس کا مطالعہ کرتے وقت کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ:

"جو کچھ میں پڑھ رہا ہوں کیا وہ واقعی خدا کا کلام ہے؟ ایسا تو نہیں کہ کچھ لوگوں نے خود لکھ کر اُسے خُدا سے منسُوب کر دیا؟"

یہ سُوالات اِس لئے اُٹھتے ہیں کہ ہم ایسے دَور میں رہ رہے ہیں جہاں ہر بات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر کسی کے ذہن میں یہ سوال بھی اُٹھ سکتا ہے کہ کہیں مُدعی سُست اور گواہ چُست والا معاملہ تو نہیں!

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ بائبل خدا کا کلام ہے لیکن کیا بائبل بھی یہ گواہی دیتی ہے؟ پس آیئے ہم پہلے بائبل مُقدّس سے دیکھیں کہ وہ اپنے متعلق کیا کہتی ہے۔ حضرت یرمیاہ نبی اپنے صحیفے میں فرماتے ہیں:

"تب خداوند نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میرے منہ کو چھُوا اور خداوند نے مجھے فرمایا دیکھ مَیں نے اپنا کلام تیرے مُنہ میں ڈال دیا" (۱:۹)۔

یہاں نبی واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ یہ کلام اُس کا اپنا نہیں بلکہ خُدا کا ہے۔ ایک اور نبی حضرت یسعیاہ کے صحیفے میں ارشادِ خداوندی ہے:

"میری رُوح جو تجھ پر ہے اور میری باتیں جو مَیں نے تیرے منہ میں ڈالی ہیں تیرے منہ سے اور تیری نسل کے منہ سے اور تیری نسل کی نسل کے منہ سے اب سے لے کر ابد تک جاتی نہ رہیں گی۔ خداوند کا یہی ارشاد ہے" (یسعیاہ ۵۹ : ۲۱)۔

اِس حوالے میں کچھ باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ خُدا کی رُوح نبی پر تھی اور اُس نے اپنی باتیں اُس کے منہ میں ڈالیں۔ مطلب یہ کہ نبی جو کچھ کہہ رہا تھا وہ خدا کے رُوح کے وسیلے سے کہہ رہا تھا اور وہ باتیں خدا کی باتیں تھیں۔ دوسری یہ کہ یہ کلام کبھی بدلے گا نہیں۔ کبھی جاتا نہ رہے گا بلکہ نسل در نسل اِسی طرح دُہرایا جاتا رہے گا اور اِس کے پیچھے سب سے بڑی سند یہ ہے کہ یہ خداوند کا ارشاد ہے۔ یہ اُس کا حکم ہے۔ اِسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ اس کی کہی ہوئی بات کبھی جھُوٹی نہیں ہو سکتی۔ ایک اور بزرگ یعنی حضرت داؤد فرماتے ہیں:

"خُداوند کی رُوح نے میری معرفت کلام کیا اور اُس کا سُخن میری زبان پر تھا" (۲۔ سموئیل ۲۳ : ۲)۔

اِس سلسلے میں ہم اَور بھی حوالے پیش کر سکتے ہیں، تاہم طوالت کے خوف سے اِتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اب ہم مسیح خداوند کی گواہی کو پیش کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا:

"بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا رُوح ہے جو تم میں بولتا ہے" (متّی ۱۰: ۲۰)۔

چنانچہ انجیلِ جلیل میں حواریوں نے جو کچھ فرمایا وہ باپ کے روح یعنی خود خدا کا فرمایا ہُوا ہے کیونکہ وہ اُن میں بولتا تھا۔ اِس سلسلے میں ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں۔ اور اِس کی ضرورت اِس لئے پیش آئی کہ اِس میں نہ صرف اِس بات کی وضاحت موجود ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے بلکہ یہ بھی کہ انبیائے کرام سے غلطی نہیں ہوئی۔ پطرس رسول فرماتے ہیں:

"کتابِ مُقدّس کی کسی نبوّت کی بات کی تاویل کسی کے ذاتی اختیار پر موقوف نہیں۔ کیونکہ نبوّت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی رُوح القُدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے" (۲۔ پطرس ۱: ۲۰۔ ۲۱)۔

یہ ایک بہت بڑی اور بہت اہم گواہی ہے کہ کتابِ مُقدّس میں کسی نبی یا رسول نے اپنی طرف سے کبھی کوئی بات نہیں کہی۔ جب خدا نے اُسے کہا تب وہ بولا اور اُسے من وعن لوگوں تک پہنچا دیا۔ اِس سے بڑھ کر اور کوئی گواہی نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ اِس کا براہِ راست حقانیتِ بائبل سے تعلق نہیں تو بھی یہاں اِس بات پر غور کرنا مفید ہوگا کہ آخر خدا کو یہ ضرورت کیوں پیش آئی کہ وہ

اِتنے انبیاء کی معرفت ہم سے کلام کرے؟ اس سوال کا جواب عبرانیوں ۱: ۱۔ ۴ میں ملتا ہے:

" اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصّہ بہ حصّہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اِس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جِسے اُس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلے سے اُس نے عالَم بھی پیدا کئے۔ وہ اُس کے جلال کا پَرتَو اور اُس کی ذات کا نقش ہو کر سب چیزوں کو اپنی قُدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ وہ گناہوں کو دھو کر عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا"

اِس حوالے میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مختلف انبیائے کرام کی معرفت کلام کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خدا اور حضور المسیح کے بارے میں جانیں۔ کیونکہ اگر وہ المسیح کے بارے میں نہیں جانتے تو وہ اپنے گناہوں سے مخلصی حاصل نہیں کر سکتے۔ خدا نے جب دیکھا کہ انسان گناہ میں گر گیا ہے تو اُس نے اُن کو نجات کا راستہ دکھایا۔ انبیاء اسی راستے کی گواہی دینے آتے رہے۔ اور آخر میں وہ راستہ خود آ گیا اور اُس نے کہا:

"راہ اور حق اور زندگی میں ہوں" (یوحنّا ۱۴: ۶)۔

۳۔ ایک ثبوت

المسیح کی ولادت سے صدیوں پہلے کی بات ہے کہ بابل کی سلطنت اپنے پورے عروج پر تھی۔ تاریخ دانوں کے بیان کے مطابق اُس کے

قلعوں کی دیواریں دو سو فٹ بلند تھیں جن پر کئی رتھ ایک ساتھ دوڑ سکتے تھے۔ یونانی اپنے علم وفن میں انہی کے مرہونِ منت تھے۔ بابل کے دیوتا کا مندر ایک عجوبۂ روزگار تھا۔ بابل کے معلّق باغات کا دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ یہ دنیا کا زرخیز ترین علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک دن یہ صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائے گی۔ لیکن خدا کے نبی حضرت یسعیاہ نے فرمایا:

"بابل جو مملکتوں کی حشمت اور کسدیوں کی بزرگی کی رونق ہے سدوم اور عمورہ کی مانند ہو جائے گا جن کو خدا نے اُلٹ دیا۔ وہ ابد تک آباد نہ ہوگا اور پشت در پشت اس میں کوئی نہ بسے گا۔ وہاں ہرگز عرب خیمے نہ لگائیں گے اور وہاں گڈرئے گلوں کو نہ بٹھائیں گے۔ پر بَن کے جنگلی درندے وہاں بیٹھیں گے اور اُن کے گھروں میں اُلّو بھرے ہوں گے۔ وہاں شترمرغ بسیں گے اور چھگمانس وہاں ناچیں گے۔ اور گیدڑ ان کے عالیشان مکانوں میں اور بھیڑیئے اُن کے رنگ محلوں میں چلائیں گے ۔ ۔ ۔ تب تُو شاہِ بابل کے خلاف یہ مَثل لائے گا اور کہے گا کہ ظالم کیسا نابُود ہو گیا! اور غاصب کیسا نیست ہُوا!"

(یسعیاہ ۱۳ : ۱۹ - ۱۴ : ۴) -

خدا کے ایک اَور نبی نے فرمایا:

"بابل کھنڈر ہو جائے گا اور گیدڑوں کا مقام اور حیرت اور سُسکار کا باعث ہوگا اور اُس میں کوئی نہ بسے گا"

(یرمیاہ ۵۱ : ۳۷) -

جس وقت خدا کے ان مُقدّس نبیوں نے یہ الفاظ ادا کئے، اُس وقت بابل دنیا کی ملکہ سمجھا جاتا تھا۔ اُسے "سنہری شہر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اِس شہر کا جسے پوری دنیا کا دارالسلطنت سمجھا جاتا تھا تباہ ہو جانا حیرت انگیز بات ہے۔ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ اتنی بڑی مملکت خواب بن جائے گی۔ بابل ایک زبردست مملکت تھی جس کے مقابلے میں یروشلیم کی حیثیت بڑی معمولی تھی۔ دونوں کی جنگ ہوئی اور یروشلیم بابل کا غلام بن گیا۔ لیکن وہی ہُوا جو خُدا نے کہا تھا۔ بابل کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور یروشلیم آج تک زندہ ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ دنیا کے اہم شہر ایسی جگہ پر واقع ہوتے ہیں کہ اگر تباہ بھی ہو جائیں تو بھی دوبارہ آباد ہو جاتے ہیں لیکن اس شہر کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ ابد تک آباد نہ ہوگا اور ایسا ہی ہُوا۔ اور کیوں نہ ہوتا؟ خداوند کا کلام کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

دمشق، یروشلیم، ایتھنز، روم، انطاکیہ، سکندریہ اور صیدوم ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی موجود ہیں، اگرچہ تباہیوں اور بربادیوں نے ادھر بھی رُخ کیا لیکن آج بابل کہاں ہے؟ وہ بابل جو دنیا کا امیر ترین شہر تھا خاک میں مل گیا۔ علاوہ ازیں، خدا نے اپنے نبی کی معرفت یہ بھی فرمایا کہ وہاں عرب ہرگز خیمے نہ لگائیں گے۔

ایک سیاح نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ میرے ساتھ عرب بھی تھے اور وہ اسلحہ سے لیس تھے لیکن مَیں انہیں کسی صورت میں قائل نہ کر سکا کہ وہ وہاں رات بسر کریں، کیونکہ بھوتوں کا خوف اُن کے دل سے نکالا نہیں جا سکتا۔ بہادر عرب اپنی شجاعت کے باوجود اس جگہ رات نہیں گزارتے۔

بابل کی مضبوط فصیل کے بارے میں بھی صدیوں پہلے خدا نے کہہ دیا تھا کہ وہ گرادی جائے گی اور اُس کے بلند پھاٹک آگ سے جلا دیئے جائیں گے ، اور ایسا ہی ہُوا۔ آج رُوئے زمین پر یہ مضبوط فصیل نظر نہیں آتی۔ بائبل مُقدّس کی یہ صدیوں پرانی پیشن گوئی اپنی تفصیل کے ساتھ پوری ہو گئی۔ اِس بڑی مملکت کے کھنڈرات زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ انبیاء خدا کے فرستادہ تھے۔ اُن کا کلام خدا کا کلام تھا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کتابِ مُقدّس خدا کا کلام ہے۔ بائبل کی صداقت کی تصدیق آج بھی بابل کے کھنڈرات کر رہے ہیں۔

۴۔ مرکزِ بائبل

بائبل کی مرکزی شخصیت مسیح ہے۔ صفحۂ اوّل سے صفحۂ آخر تک اِسی کا ذکر ہے۔ وہی کتابِ مُقدّس کی ابتدا اور وہی انتہا ہے۔ وہی اوّل اور وہی آخر ہے۔ اگر بائبل کے شروع میں اُس کی آمد کی پیشگوئی ہے تو اِس کے آخر میں اس کی آمدِ ثانی کی پُر امید پیشگوئی بھی ہے۔ غرضیکہ آپ کو بائبل کے ہر صفحے پر مسیح کا عکس نظر آئے گا۔

بائبل کا حصّہ اوّل یعنی پرانا عہد نامہ المسیح کی آمد کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اور بائبل مُقدّس کا دوسرا حصّہ یعنی نیا عہد نامہ ان پیشگوئیوں کی تکمیل ہے۔ پرانے عہد نامہ کے علماء نے جب ان پیشگوئیوں کا شمار کیا تو سینکڑوں نکلیں۔ اتنی ساری پیشگوئیوں کا ایک شخص میں جمع ہونا انسانی نکتۂ نظر سے تو ناممکن نظر آتا ہے لیکن خدا کے نزدیک کچھ ناممکن نہیں۔

یہ تمام پیشگوئیاں مسیح کی ذات میں پوری ہوئیں۔

جب حضرت آدمؑ نے خدا کی نافرمانی کی اور گناہ کے مرتکب ہوئے یعنی جب شیطان کا جو سانپ کی شکل میں ظاہر ہُوا حوّا کے ذریعے کہنا مانا تو خدا نے سانپ سے کہا کہ:

"میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اُس کی ایڑی پر کاٹے گا" (پیدائش ۳: ۱۵)۔

حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ:

"یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اُس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیلوہ نہ آئے"
(پیدائش ۴۹: ۱۰)۔

حضرت داؤدؑ کے والد یسّی کی نسل کے بارے میں حضرت یسعیاہؑ نے فرمایا:

"اور یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اُس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہوگی" (یسعیاہ ۱۱: ۱)۔

یسعیاہ نبی ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا"
(۷: ۱۴)۔

حضرت زکریاہ نے المسیح کے بارے میں کہا:

"دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادق ہے اور نجات اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حلیم ہے اور گدھے پر بلکہ

جوان گدھے پر سوار ہے" (زکریاہ ۹:۹)۔

زبور میں اس بات کا ذکر ہے کہ اُس کا ایک رفیق اُسے دھوکا دے کر پکڑوائے گا۔ حضرت زکریاہ نے اس کی وضاحت کی کہ وہ شخص چاندی کے تیس سکّوں کے عوض اپنے آقا سے غداری کرے گا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی جائے گی لیکن وہ اپنے الزام لگانے والوں کے سامنے خاموش رہے گا۔ اُسے مارا پیٹا جائے گا اور اُس کے ہاتھوں اور پیروں میں کیل گاڑے جائیں گے۔ اُس کے کپڑوں پر قُرعہ ڈالا جائے گا۔ وہ صلیب پر ہوگا تو اُس کا مذاق اُڑایا جائے گا اور اُسے پینے کے لئے سرکا پیش کیا جائے گا۔ اُسے مصلوب تو کیا جائے گا لیکن عام دستور کے برخلاف اس کی ہڈیاں نہیں توڑی جائیں گی۔ وہ بنی نوعِ انسان کی خاطر قربانی پیش کرے گا تاکہ قربِ الٰہی کی راہ کھولے۔ وہ تین دن مدفون رہے گا۔ اس کی لاش کے سڑنے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ وہ زندہ ہو جائے گا۔ غرض مسیح کی پیدائش سے لے کر اُس کی موت اور جی اُٹھنے تک پیشگوئیاں موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل تک تکمیل کو پہنچی۔

مسیح کی آمد سے پیشتر یہ پیشگوئیاں اُمید کا پہلو لئے ہوئے تھیں۔ اُس کی آمد سے اس اُمید نے حقیقت کا روپ دھار لیا اور وہ جو تمام انبیاء کی آرزوؤں کا ماحصل تھا اپنے وقت پر ظاہر ہُوا۔ تمام انبیاء کی نظریں اس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ تمام انبیاء کے حسین خوابوں کی حسین تصویر تھا۔ نبوّت کی ساری کرنیں اور شعاعیں ایک ہی نکتہ پر مرکوز تھیں اور وہ نکتہ مسیح کی ذات تھی۔ تاریخ کے سارے دھارے اُسی کی طرف بہہ رہے تھے۔ انبیاء کا تمام کلام اُسی کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ مسیح کے بغیر انبیاء کا کلام

صرف ایک آرزو، ایک تمنا اور خواہش رہ جاتا ہے۔ مسیح اِس آرزو کی تکمیل اور ماحصل ہے۔ حضرت ابرہام جیسا اولوالعزم نبی اُس کا دن دیکھنے کی اُمید پر خوش تھا (یوحنّا ۸ : ۵۶)۔

ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ خُدا نے ہمیں اس فضل کے زمانے میں پیدا کیا جبکہ ہم صرف امید پر زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ اِس مجسم پیشین گوئی کو قبول کر سکتے اور حقیقت پر ایمان لا سکتے ہیں۔

۵ حِفاظتِ بائبل

آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہمارا کلام اور ہماری گفتگو ہماری شخصیت کی عکاسی کرتی ہے جو کچھ ہمارے دل میں ہوتا ہے وہی ہماری زبان پر آتا ہے۔ لوگ ہمارے کلام کے وسیلے سے پہچانتے ہیں کہ ہم کس قسم کے انسان ہیں۔ ہم ایک عالِم شخص سے عالمانہ گفتگو کی توقع کرتے ہیں۔ اگر وہ جاہلانہ باتیں کرے تو ہم فوراً کہتے ہیں کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ بلعینہٖ ہم خدا کے کلام سے وہی توقع کرتے ہیں جو خدا سے کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ کلام کسی کی ذات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جس طرح خُدا سچّا ہے، اُسی طرح اُس کا کلام سچّا ہے۔ جس طرح وہ لاتبدیل ہے اُسی طرح اُس کا کلام لاتبدیل ہے۔ بریں بنا خداوند کریم نے جب اپنا کلام دیا تو لوگوں کو آگاہ کیا کہ وہ اس کے کلام کو کم کرنے یا بڑھانے کی جسارت کبھی نہ کریں۔ خدا نے حضرت سلیمان کی معرفت فرمایا:

"تُو اس کے کلام میں کچھ نہ بڑھانا" (امثال ۳۰ : ۶)۔

حضرت موسیٰ کی معرفت خدا نے لوگوں سے کہا کہ:

"جس بات کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اُس میں نہ تو کچھ بڑھانا اور نہ کچھ گھٹانا تاکہ تم خداوند اپنے خدا کے احکام کو جو میں تم کو بتاتا ہوں مان سکو" (استثنا ۴ : ۲)۔

اس حکم میں واضح طور پر دو باتوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ خُدا کے کلام میں کچھ بڑھایا نہ جائے اور دوسری یہ کہ اس میں سے کچھ کم بھی نہ کیا جائے، اور اس حکم کو نہ ماننے کی سزا بھی مقرر کی گئی۔ ہمیں مکاشفہ کی کتاب میں جو کہ بائبل کی آخری کتاب ہے یہ عبارت ملتی ہے:

"میں ہر ایک آدمی کے آگے جو اس کتاب کی نبوّت کی باتیں سُنتا ہے گواہی دیتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی اُن میں کچھ بڑھائے تو خدا اِس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اُس پر نازل کرے گا۔ اور اگر کوئی اِس نبوّت کی کتاب کی باتوں میں سے کچھ نکال ڈالے تو خُدا اُس زندگی کے درخت اور مُقدّس شہر میں سے جن کا اِس کتاب میں ذکر ہے اُس کا حصّہ نکال ڈالے گا" (۲۲ : ۱۸-۱۹)۔

ایک بات بالکل صاف ہے کہ وہ شخص جو کتابِ مُقدّس پر ایمان رکھتا ہے اُس میں سے گھٹانے یا اُس میں بڑھانے کی سوچ بھی نہیں سکتا، ورنہ ظاہر ہے کہ وہ اُس پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ یہ ناپاک جسارت وہی کرے گا جو اس کا دشمن ہے اور اُسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ پھر خُدا نے یہ بات صرف انسان پر ہی نہیں چھوڑی بلکہ اپنے انبیائے کرام کی معرفت جتلا دیا کہ میرا کلام کبھی نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ یسعیاہ نبی خدا سے آگاہی پاکر فرماتے ہیں:

"ہاں گھاس مُرجھا جاتی ہے۔ پھول کُملاتا ہے پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" (یسعیاہ ۴۰ : ۸)۔

چونکہ خدا خود لاتبدیل ہے اِس لئے اُس کا کلام بھی لاتبدیل ہے۔ پھر خدا، زبور ۸۹ : ۳۴ میں فرماتا ہے کہ:

"میں اپنے عہد کو نہ توڑوں گا اور اپنے منہ کی بات کو نہ بدلوں گا"۔

اب خداوند مسیح کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا:

"کتابِ مقدّس کا باطل ہونا ممکن نہیں" (یوحنّا ۱۰ : ۳۵)۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

"آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" (متی ۲۴ : ۳۵)۔

مزید فرمایا:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پُورا نہ ہو جائے" (متّی ۵ : ۱۸)۔

جب ہم اِن حوالہ جات کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت اُبھر کر آتی ہے کہ خدا کا کلام، خواہ وہ توریت میں یا کسی اور صحیفے میں مندرج ہے یا المسیح کی تعلیمات کی صورت میں ہے بدل نہیں سکتا۔ پس جب وہ بدل نہیں سکتا تو لازماً پورا ہوگا۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہودیوں اور مسیحیوں نے مِل کر کتابِ مُقدّس میں ردوبدل کیا ہے۔ یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ چونکہ معترضین

مسیحی مذہبی تاریخ اور مسیحی کُتب سے واقف نہیں ہوتے اس لئے صرف سُنی سنائی باتوں پر اعتبار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ ہمارے پاس متعدد ثبوت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ بائبل مُقدّس جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو اُس وقت تھی، مثلاً :

۱۔ ۱۹۴۷ء میں اُردن کی وادیٔ قمرآن سے کچھ قدیم نسخے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں۔ جب ہم اِن نسخوں کا بائبل کے موجودہ متن سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بائبل مُقدّس ہم تک محفوظ حالت میں پہنچی ہے اور اِس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں بائبل مقدس کے مختلف قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ مثلاً نسخہ سکندریہ جو تقریباً ۳۲۵ء میں لکھا گیا، نسخہ واٹکانی جو ۳۰۰ء میں تحریر ہُوا، نسخہ سینا جو چوتھی صدی عیسوی میں لکھا گیا اور نسخۂ افرائیمی جو ۴۵۰ء میں لکھا گیا۔ یہ پرانے نسخے اب بھی موجود ہیں۔ علمائے اِن کا مقابلہ موجودہ بائبل مُقدّس سے کیا ہے اور اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بائبل آج بھی ہمارے پاس اُسی صورت میں محفوظ ہے جیسے کہ شروع میں تھی۔

۲۔ خداوند مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد شاگردوں نے خداوند کے فرمان کے مطابق دوسرے علاقوں اور قوموں میں انجیل کی منادی شروع کی۔ جُوں جُوں کلام پھیلتا گیا، اِس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ انجیل کا ترجمہ لوگوں کی زبان میں کیا جائے۔ چنانچہ علماء نے پرانے اور نئے عہد نامہ، کا ترجمہ مختلف قوموں کی زبانوں میں کیا۔ اس وقت بائبل یا اِس کے حِصّوں کا تقریباً ۲۰۰۰ زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ ان تراجم کی موجودگی میں جو مختلف ممالک میں مختلف لوگوں کے ہاتھ میں اُس وقت موجود تھے یہ

کیسے ممکن تھا کہ کوئی بائبل مُقدّس میں تحریف کرے؟ کوئی اپنے نسخے میں تو کرسکتا تھا لیکن تمام دنیا کے تراجم میں کیسے کرسکتا تھا؟ یہ ناممکن امر ہے۔

۳۔ پھر ہمارے پاس آبائے کلیسیا کے وہ اقتباسات ہیں جو انہوں نے اپنی تحریرات میں کتابِ مُقدّس میں سے پیش کئے، اور صرف یہی نہیں بلکہ مخالفین نے بھی مسیحیت کے خلاف جو کتابیں لکھیں اُن میں بھی انہوں نے بائبل سے اقتباسات پیش کئے۔ اُن اقتباسات کا جو بائبل کے حامیوں اور مخالفوں نے پیش کئے موجودہ بائبل سے مقابلہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ اب بھی ویسے ہی موجود ہیں جیسے کہ اُس وقت تھے۔

۴۔ اور مزید یہ کہ جس طرح ہر مذہب کے لوگ اپنی اپنی متبرک کتابوں سے پیار کرتے ہیں اور اُس کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتے ہیں، اُسی طرح یہودی اور مسیحی بھی اپنی کتبِ مُقدّسہ کو پیار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات عقلِ سلیم کبھی بھی تسلیم نہیں کرسکتی کہ ایک شخص جو ایک کتاب کو کلامُ اللہ مانے اور اُس پر ایمان بھی رکھے وُہ اُس میں تحریف کرے گا! ہم مسیحی بھی اپنی کتبِ مُقدّسہ کو ویسے ہی عزیز رکھتے ہیں جس طرح کہ دیگر مذاہب کے پیروکار، اس لئے کبھی کوئی مسیحی یہ جسارت نہیں کرسکتا اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی مسیحی نے تحریف کی ہی نہیں۔

پس درجِ بالا اُمور کی روشنی میں یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ بائبل مُقدّس میں کبھی تحریف نہیں ہوئی۔ یہ خدا کا کلام ہے جو مختلف انبیاء کی معرفت ہم تک پہنچا ہے۔ اور جس طرح کہ خدا نے بتایا کہ اُس کا کلام بدل نہیں سکتا، بائبل مُقدّس بھی نہ تبدیل ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے۔

حاصلِ کلام

عزیز قارئین! آپ نے مطالعہ کے دوران پیش کردہ دلائل کی روشنی میں محسوس کیا ہوگا کہ بائبل مُقدّس حقیقتاً خدا کا کلام ہے اور ردوبدل یا تحریف وتخریب سے قطعاً پاک ہے جیساکہ بعض لوگ جنہیں تحقیق و تفتیش سے چنداں غرض نہیں یا جو حقیقتِ حال سے ناواقف ہیں الزام لگاتے ہیں۔

بائبل مُقدّس اپنا ثبوت آپ ہے۔ یہ اپنی حقانیت اور صحت کے لئے کسی خارجی ثبوت کی محتاج نہیں۔ اس کی اندرونی شہادت اتنی زبردست ہے کہ اُسے رد کرنا آسان نہیں۔ مثلاً اِس کی کتب اور مضامین میں جو وحدت ویگانگت پائی جاتی ہے اُس کی مثال دنیا میں کسی کتاب سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جس کے متعدد مصنفین ہونے کے باوجود اُس میں ایسا تسلسل پایا جائے گویا کہ ایک ہی کتاب ہے۔ اگر آپ خالی الذہن ہوکر بائبل مُقدّس کو شروع سے آخر تک پڑھیں تو آپ بھی یہ محسوس نہ کرسکیں گے کہ آپ متفرق کتب پڑھ رہے ہیں۔ اِن میں حیرت انگیز یگانگت پائی جاتی ہے جو ایک دیانتدار قاری کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں رہ سکتی۔

پھر اس کی پیشگوئیاں اِس کے الہامی ہونے کا زندہ وجاوید ثبوت ہیں۔ اِس میں سینکڑوں پیشگوئیاں حالات واشخاص اور خاص طور پر

حضور المسیح کی ذات کے بارے میں پائی جاتی ہیں۔ یہ پیشگوئیاں سینکڑوں سال پیشتر کی گئی تھیں جن میں سے بیشتر حرف بحرف پوری ہوچکی ہیں۔ صرف ایک دن میں یعنی حضور المسیح کی تصلیب کے دن ۳۳ پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ باقی ماندہ پیشگوئیاں بھی اپنے وقت کے مطابق پوری ہوتی جارہی ہیں۔ کیا یہ اس بات کا بیّن ثبوت نہیں کہ بائبل مُقدّس خدا کا کلام ہے؟

نیز اس کی اثر پذیری ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ بائبل مُقدّس نے ہر زمانے میں ہر قوم کو متاثر کیا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو بائبل کے ثمرات سے بہرہ ور نہ ہوئی ہو۔ جہاں کہیں بائبل پہنچی وہاں کی اقوام کی تقدیر بدل گئی۔ وہ وحشی قومیں جو ننگِ انسانیت تھیں، بائبل مُقدّس کے سایۂ عاطِفت میں آتے ہی مُہذب بن گئیں اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوگئیں۔

بائبل مُقدّس کی تعلیمات بھی لاثانی ہیں۔ مثلاً کب کسی نے کہا کہ "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرو"؟ لیکن جو بات اِسے سب سے زیادہ ممتاز بناتی ہے وہ راہِ نجات کی پیشکش ہے۔ اس کتاب میں انسان کی نجات کے منصوبے کو بڑی وضاحت اور قطعیت سے بیان کیا گیا ہے۔ اِس منصوبے کا آغاز آدم کے گناہ میں گرنے پر ہُوا اور المسیح کے کفارہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اِن تمام امور سے صاف ظاہر ہے کہ بائبل مُقدّس خدا کا کلام ہے اور ہم تک لاخطا پہنچا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ خود بائبل مُقدّس کا مطالعہ کرکے ہمارے دعوے کو جانچئے اور بائبل کی برکات سے فیض یاب ہوئیے۔

حِصّہ دُوم

اِنتظامِ نجات

۱۔ تجسُّمِ مسیح

معزز قارئین! اگر آپ کو کبھی چھوٹے بچوں کو پڑھانے کا اتفاق ہُوا ہو تو آپ یقیناً اِس مشکل سے دوچار ہوئے ہوں گے کہ اپنے علم کو کس طرح چھوٹے سے ذہن میں ڈالا جائے۔ چونکہ بچّے کا ذہن محدُود ہوتا ہے اور آپ کا علم اُس کے مقابلے میں بڑا ہے اِس لئے وہ پُورے طور پر اُس کے ذہن میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے علم کو بچّے کے ذہن کے مطابق ڈھالیں اور اُس کے ذہن کی سطح پر اُتر آئیں، ورنہ آپ کا علم بچے کے لئے بیکار ہے۔

بالکل یہی مسئلہ خدا کو درپیش تھا کہ وہ لامحدود ہوتے ہُوئے کس طرح اپنے آپ کو محدود اِنسان کے سامنے ظاہر کرے۔ پس وہ اپنا اظہار انسانی سطح پر کرتا ہے۔ پہلے اُس نے انبیاء کی معرفت انسانی زبان میں کلام کرتے ہوئے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ جس طرح ایک عالم بچے کو سمجھانے کے لئے اُس کی ذہنی سطح پر اُتر آتا ہے، اُسی طرح خدا نے بھی محدود انسانی زُبان میں کلام کیا۔

انبیاء کی معرفت خدا کا اپنے اِظہار کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یعنی خُدا اپنے آپ کو اِس طرح ظاہر کرتا رہا جس طرح کہ انسان کی سمجھ میں آ سکتا تھا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ خُدا نے اِنسان کو ٹیپ ریکارڈر کی طرح استعمال نہیں کیا بلکہ بحیثیت انسان اپنا پیغمبر بنا کر۔ خدا نے اپنا کلام پیغمبر کے باطنی کان میں سنایا اور اُس نے اُسے اپنی مادری زبان میں ادا کیا۔ لیکن اِس خدائی پیغام کو اِنسانی زُبان میں ادا کرنے کا فریضہ انبیاء کو بہت مشکل لگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میری زبان میں لکنت ہے (خروج ۴ : ۱۰)۔ حضرت یسعیاہ کہتے ہیں کہ میں ناپاک ہونٹوں والا ہوں (یسعیاہ ۶ : ۵)۔ حضرت یرمیاہ پکار اُٹھے کہ اے خداوند دیکھ میں بول نہیں سکتا (یرمیاہ ۱ : ۶)۔ لیکن خُدا نے ان تمام افراد کا ذمہ لیا اور اُن کی محدود زُبان میں اپنا کلام قلمبند کروایا۔ مکاشفہ کے اِس عمل کے دوران نہ تو وہ بے ہوش ہوئے، نہ ان کے ذہن معطل کیے گئے اور نہ وہ مُردوں کی مانند بنائے گئے بلکہ اُن کی ذہنی صلاحیتیں برقرار رہیں۔ کیونکہ جو کلام بیہوشی کے عالم میں ملے اُس سے پیغمبر کو کیا فائدہ! انبیاء نے ہوش و حواس برقرار رکھتے ہوئے خدا کا کلام سُنا اور سنایا۔

خُدا نے انبیاء کی معرفت اِس لئے کلام کیا کیونکہ وہ انسان سے محبت رکھتا ہے۔ یہ اُس کی محبت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اُس پر ظاہر کرے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ آپ بچے کو محبت کے بارے میں خواہ کچھ بھی بتائیں محبت کا پُورا تصور اُس وقت تک سامنے نہیں آتا جب تک کہ آپ خود عملی طور پر محبت کا ثبوت نہ دیں۔ بچے کو ایک دفعہ گلے سے لگا لینا تمام عُمر کے وعظوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بھرپُور اظہار ہے۔

یہی کچھ خدا نے بھی کیا۔ سلسلۂ نبوت کے آخر میں خدا نے انسانی جسم میں ظہور فرمایا۔ وہ مکمل طور پر ہماری سطح پر اُتر آیا اور انسان بن کر ہمارے درمیان رہا۔ وہ ہمارے دُکھ سکھ میں شریک ہُوا۔ اُس نے دنیا سے اِتنی ٹوٹ کر محبت کی کہ اپنی جان تک بنی نوع انسان کے لئے دے دی۔ اِس مجسّم کلام، مجسّم محبت اور مجسم مکاشفے کا نام خُداوند یسُوع المسیح ہے۔

خدا کی اِس محبت کی داستان کتابِ مُقدّس یعنی بائبل میں لکھی ہوئی ہے۔ کلام ہمیں بتاتا ہے کہ خدا، محبت کرنے والا خدا ہے (یوحنا ۳ : ۱۶)۔ وہ

محبت کرنے سے نہیں تھکتا۔ خُدا محبت ہے (۱۔یوحنّا ۴ : ۸) یعنی وہ سراسر محبت ہے۔ اُس کی محبت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگرچہ لوگوں نے اُس کی محبت کے پیغام کو ٹھکرایا اور یہاں تک کہ محبت کے آخری اور مکمل مکاشفہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، لیکن خُدا کی محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ہماری تمام جہالتوں اور مخالفتوں پر اُس کی محبت غالب ہے۔ ہم اِس محبت کے لئے اُس کا شکر ادا کریں۔ اگرچہ ہم نے اُس کی محبت کی کوئی قدر نہ کی تو بھی اُس نے آگے بڑھ کر ہمیں گلے لگایا، اور یُوں اُس محبت کا بھرپُور اظہار کیا جو وہ ہم سے رکھتا ہے۔

۲۔ ابنِ خُدا

اِس دنیا میں متعدد رِشتے پائے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر اوقات حالات اور زمانے کے اثرات ہمارے اِن انسانی تعلقات کو بدل دیتے ہیں۔ دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے اور حُب الوطنی غداری میں۔ میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتی ہے اور دوست واحباب جدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک رِشتہ ہے جو مُستقل ہے اور جِسے حالات نہیں بدل سکتے اور نہ زمانہ اُس پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ میاں بیوی کا رشتہ بڑا گہرا ہے۔ لیکن اگر شوہر کا اِنتقال ہو جائے یا وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور بیوی دوسری شادی کرلے تو وہ پہلے شوہر کا نام اِستعمال نہیں کرسکتی۔ یُوں حالات اُس رِشتے کو ختم کر دیتے ہیں۔ لیکن خدا نہ کرے کسی کے والد کا انتقال ہو جائے تو خواہ حالات کیسا بھی رُخ کیوں نہ اِختیار کرلیں، یہ رِشتہ تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ وہ رِشتہ

ہے جسے موت بھی نہیں توڑتی۔

خُدا اور انسان کے اِسی اٹُوٹ رِشتے کو ظاہر کرنے کے لئے بائبل نے خُدا کے لئے باپ اور مسیح کے لئے بیٹے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ خدا اپنی محبت کے پیشِ نظر اپنے مکاشفے کے لئے انسانی سطح پر اُتر آیا۔ چونکہ انسانی زبان اِنسانی ہونے کی وجہ سے محدود ہے، اِس لئے یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے۔ بعض لوگ اِس غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ نعُوذُ بِاللہ جب خداوند مسیح کے لئے بیٹے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو یہ جسمانی اور جنسی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اِس سلسلے میں وہ حضرت مریمؑ کی شان میں نازیبا الفاظ بھی اِستعمال کرنے سے نہیں جھجکتے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِس قسم کا خیال نہ تو بائبل میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی مسیحی لوگ اِس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ بائبل میں لفظ "بیٹا" اُس ازلی اور ابدی رِشتے کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو خدا باپ اور مسیح یسوؔع میں ہے۔ اِس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ہم بہت سے حوالے پیش کر سکتے ہیں لیکن ہم صرف ایک حوالے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

پرانے عہد نامہ میں بنی اسرائیل کو "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اِس کے کوئی جنسی معنے نہیں ہو سکتے۔ یہ محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے یا بالفاظِ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ محبوب ترین ہستی کو بیٹے کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اِسی لئے جب مسیح کے لئے لفظ "بیٹا" استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ محبوبِ الٰہی ہے۔

پھر ایک اَور چیز بھی قابلِ غور ہے، اور وہ یہ کہ بیٹا باپ کا اظہار

ہوتا ہے۔ ہم بیٹے سے باپ کو پہچانتے ہیں۔ وہ اپنے باپ کی ذات کا پرتَو اور عکس ہوتا ہے بعینہٖ ہم خداوند مسیح کے ذریعہ خدا کو پہچانتے ہیں۔ خود خداوند مسیح نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا (یوحنا ۱۴: ۹)۔ خدا کا کامل اور آخری مکاشفہ مسیح ہے۔ اُس کے بغیر ہم خدا کو نہیں جان سکتے (یوحنا ۱: ۱۸)۔

اِس سلسلے میں مسیح کی صلیبی موت کو بھی سامنے رکھئے۔ مسیح کی صلیبی موت باپ کی محبت کا بہترین نمونہ ہے، اور محبت کی انتہا قربانی ہے۔ خُدا نے بزرگ و برتر عرشِ معلّیٰ پر بیٹھ کر محبت کے حرف دعوے ہی نہیں کرتا بلکہ اُس نے اِس کا عملی ثبوت بھی دیا۔ یہ نہ صرف ایک عملی ثبوت ہے بلکہ سب سے بڑا تاریخی ثبوت بھی ہے جس سے اِنکار ناممکن ہے۔ خداوند مسیح کی پیدائش میں اُس کی موت چھُپی ہوئی ہے۔ اُس کی پیدائش سے لے کر موت اور جی اُٹھنے تک ایک ہی محبت کا سلسلہ ہے۔ اِس مجسم محبت کا دوسرا نام خدا کا بیٹا ہے۔

خدا نے جو اپنا کامل اظہار مسیح میں کیا تو اُس محبت کی بِنا پر کیا جو اُسے اپنے بیٹے اور بنی نوع انسان سے ہے۔ یہ محبّت کیا ہے جس کا کامل نمونہ خداوند مسیح ہے؟ اِسے آپ پولسؔ رسول کی زبانی سنئے لکھا ہے:

"اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور محبّت نہ رکھوں تو میں ٹھنٹھناتا پیتل یا جھنجھناتی جھانجھ ہوں۔ اور اگر مجھے نبوّت ملے اور سب بھیدوں اور کل علم کی واقفیت ہو اور میرا ایمان یہاں تک کامل ہو کہ پہاڑوں کو ہٹا دوں اور محبّت نہ رکھوں تو مَیں کچھ بھی نہیں۔ اور اگر اپنا سارا مال غریبوں کو کھلا دوں یا اپنا بدن جلانے کو دیدوں اور محبّت نہ رکھوں تو مجھے کچھ

بھی فائدہ نہیں۔ محبّت صابر ہے اور مہربان۔ محبت حسد نہیں کرتی۔ محبت شیخی نہیں مارتی اور پھُولتی نہیں۔ نازیبا کام نہیں کرتی۔ اپنی بہتری نہیں چاہتی۔ جھنجھلاتی نہیں۔ بدگمانی نہیں کرتی۔ بدکاری سے خوش نہیں ہوتی بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔ سب کچھ سہہ لیتی ہے۔ سب کچھ یقین کرتی ہے۔ سب باتوں کی اُمید رکھتی ہے۔ سب باتوں کی برداشت کرتی ہے . . . غرض ایمان، اُمید، محبت تینوں دائمی ہیں مگر افضل اِن میں محبّت ہے"
(۱۔کرنتھیوں ۱۳ اباب)۔

خداوندِ جلیل سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اِس مجسم محبت یعنی بیٹے کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ بیٹا جِس پر موت بھی غالب نہ آسکی بلکہ وہ جی اُٹھ کر موت پر غالب آگیا۔ خُدا کرے کہ آپ بھی اس کی اِس فتح میں شریک ہو سکیں اور یوحنّا رسُول کے ساتھ کہہ سکیں کہ خدا کے بیٹے کا خون مجھے ساری ناراستی سے پاک وصاف کرتا ہے (۱۔ یوحنّا ۱:۷)۔

۳۔ گُناہ

نجات اور طریقۂ نجات کو سمجھنے سے پیشتر گُناہ کی نوعیّت کو سمجھنا ضُروری ہے۔ کیونکہ جب یہی معلوم نہیں کہ گناہ کیا ہے تو اِس کی مُعافی کے بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ اِسی لئے کتابِ مُقدّس یعنی بائبل کے شروع میں پہلے انسان کے گناہ کا تذکرہ ہے۔
اِن ابتدائی ابواب میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان

کو خلق کیا اور آخر میں اشرف المخلوقات کو پیدا کیا۔ خدا نے آدمؑ و حوّاؑ کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ باغِ عدن کے ہر درخت کا پھل کھا سکتے ہیں۔ لیکن ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا۔ جب شیطان کو معلوم ہُوا کہ آدمؑ اور حوّاؑ کو کیا احکامات دیئے گئے ہیں تو اُس نے اُنہیں بہکانے اور راہِ راست سے ہٹانے کی سکیم تیار کی۔ خدا تعالیٰ نے انہیں کہا تھا کہ تم باغ کے ہر درخت کا پھل بلا روک ٹوک کھا سکتے ہو لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل نہ کھانا کیونکہ جس روز تم کھاؤ گے مر جاؤ گے۔ لیکن شیطان نے اِس کے برعکس اُنہیں یہ کہا کہ تم ہر گز نہ مرو گے۔ خدا جانتا ہے کہ جس روز تم اُسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھُل جائیں گی اور تم خُدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ دوسرے الفاظ میں شیطان کا مطلب یہ تھا کہ خُدا تمہاری آزادی غصب کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ تمہاری کامیابی کا راز اِسی میں مضمر ہے کہ تم اُس سے بغاوت کرو اور اُس درخت میں سے کھا لو۔

حضرت حوّاؑ، اِس شیطانی فلسفے کا شکار ہو گئیں۔ اور بعد میں حضرت آدمؑ نے بھی حضرت حوّاؑ کی طرح خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اُس درخت کے پھل میں سے کھا لیا۔ اُس کے کھاتے ہی اُن دونوں کی آنکھیں کھُل گئیں اور انہیں اپنے ننگے پن کا احساس ہُوا۔

اِس واقعہ کو بیان کر کے بائبل مُقدّس نے گناہ کی ماہیّت پر روشنی ڈالی ہے کہ گناہ دراصل خدا سے بغاوت کا نام ہے۔ یہ اُس قلبی حالت کا نام ہے جب انسان اپنے آپ کو خدا کی عائد کردہ پابندیوں سے آزاد سمجھنے لگتا ہے، جب انسان خدا کو اپنے دل کے تخت سے ہٹا کر اُس کی جگہ خود

بیٹھ جاتا ہے۔ ہم اسے آسان الفاظ میں یُوں بیان کر سکتے ہیں کہ گناہ خدا کے حکم کی عدولی ہے۔ گناہ وہ عظیم بغاوت ہے جس کے تحت انسان اپنے آپ کو خدا بنانے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ اس خواب کی تعبیر بہت بھیانک ہے۔ جس طرح آدمؔ اور حوّا باغِ عدن سے نکال دیئے گئے اُسی طرح اس خواب کی تعبیر خدا کے حضور سے اخراج ہے۔ یہ جیتے جی جہنم کا سفر ہے۔

قارئین کرام! جب ہمارے جدِ امجد حضرت آدمؔ نے بہترین حالات میں بدترین فیصلہ کیا تو ہم سے جو اِتنے اچھے حالات میں نہیں رہ رہے کس طرح بہتر فیصلے کی توقع کی جا سکتی ہے؟ بیٹے اپنے باپ کی ذات کا عکس ہوتے ہیں۔ جس طرح باپ نے اِنتہائی نازک موڑ پر غلط فیصلہ کیا، اسی طرح بیٹے کرتے ہیں۔ ہماری زندگیاں مجسم بغاوت ہیں۔ پس ہمارے جرم بغاوت کی صرف ایک ہی سزا ہو سکتی ہے اور وہ ہے موت اور صرف موت۔ اس سے کم سزا ہمارے لئے تجویز ہی نہیں کی جا سکتی۔

آیئے اب ہم حقیقت کے آئینے میں اپنی ذات کا عکس دیکھیں۔ پیدائش سے لے کر موت تک ہماری زندگی بغاوت کی ایک مسلسل کہانی ہے۔ بچپن میں ماں باپ کی نافرمانی، زمانۂ طالب علمی میں اساتذہ کی حکم عدولی، جوانی میں قانون سے انحراف اور بڑھاپے میں پھر بچپن کا اعادہ۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ کیا اِس بات کا بیّن ثبوت نہیں کہ گناہ ہماری گھٹی میں پڑا ہے؟ ہم گناہ میں پیدا ہوتے ہیں اور گناہ میں مرجاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کے چہرہ پر بڑے بڑے حروف میں لکھا ہے "گنہگار انسان"۔ خدا کے احکام کی تعمیل کرنا ہمارے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے جبکہ نافرمانی ہم سے خود بخود سرزد ہوتی رہتی

ہے۔ برائی ہمارے لئے فطری عمل ہے اور نیکی ماورائے فطرت۔ اِس حالت کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے پولُس رسول فرماتے ہیں:

"ہم جانتے ہیں کہ شریعت تو رُوحانی ہے مگر میں جسمانی اور گناہ کے ہاتھ بِکا ہُوا ہوں۔ اور جو میں کرتا ہوں اُس کو نہیں جانتا کیونکہ جس کا میں ارادہ کرتا ہوں وہ نہیں کرتا بلکہ جس سے مجھ کو نفرت ہے وہی کرتا ہوں۔ اور اگر میں اُس پر عمل کرتا ہوں جس کا ارادہ نہیں کرتا تو مَیں مانتا ہُوں کہ شریعت خوب ہے۔ پس اس صورت میں اُس کا کرنے والا میں نہ رہا بلکہ گناہ ہے جو مجھ میں بَسا ہُوا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں یعنی میرے جسم میں کوئی نیکی بسی ہوئی نہیں۔ البتہ ارادہ تو مجھ میں موجود ہے مگر نیک کام مجھ سے بن نہیں پڑتے۔ چنانچہ جس نیکی کا ارادہ کرتا ہوں وہ تو نہیں کرتا مگر جس بدی کا ارادہ نہیں کرتا اُسے کر لیتا ہوں۔ پس اگر میں وہ کرتا ہوں جس کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کا کرنے والا مَیں نہ رہا بلکہ گناہ ہے جو مجھ میں بَسا ہُوا ہے۔ غرض میں ایسی شریعت پاتا ہوں کہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہوں تو بدی میرے پاس آموجود ہوتی ہے۔ کیونکہ باطنی انسانیت کے رُو سے تو میں خدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا ہوں۔ مگر مجھے اپنے اعضا میں ایک اور طرح کی شریعت نظر آتی ہے جو میری عقل کی شریعت سے لڑ کر مجھے اُس گناہ کی شریعت کی قید میں لے آتی ہے جو میرے اعضا میں موجود ہے۔ ہائے میں کیسا کمبخت آدمی ہوں! اِس موت کے بدن سے مجھے کون چھُڑائے گا؟"

(رومیوں ۷: ۱۴-۲۴)۔

جب پہلے انسان کے پہلے گناہ نے اُس پر موت کی مُہر ثبت کر دی تو خدا نے موت سے رہائی کا راستہ بھی مہیا کر دیا اور وہ راستہ یسوع مسیح ہے۔ نوعِ انسان سے اس کی مختلف پیدائش اُس کی منفرد ذات کی آئینہ دار ہے۔ وہ جو ہم جیسا ہوتے ہوئے بھی ہم سے مختلف تھا، ہمیں بچانے کے لئے آیا۔ پہلے انسان نے خدا کے حکم کی عدولی کر کے موت کمائی۔ لیکن مسیح نے خدا کی فرمانبرداری کر کے اُس موت کو مغلوب کیا اور اُس پر فتح کا شادیانہ بجایا اور یوں اپنے ماننے والوں کے لئے زندگی فراہم کی۔

۴۔ قربانی

قربانی کا تصوّر دنیا کے تقریباً تمام مذاہب اور اقوام میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اقوام بھی جہاں کسی الہامی مذہب کا تصوّر نہیں، قربانی کے خیال سے خالی نہیں۔ انسان کو شروع زمانے ہی سے اِس بات کا احساس ہے کہ خدا اور اُس کے تعلقات کشیدہ ہیں اور اُنہیں معمول پر لانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ابتدا ہی سے لوگ خدا کے ساتھ اپنے تعلقات دُرست کرنے کے لئے کسی جانور کو قربان کرتے آئے ہیں۔

ایک لحاظ سے سب سے پہلی قربانی خود خدا نے دی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدم اور حوا سے گناہ سرزد ہُوا اور اُنہوں نے خود کو ننگا محسوس کیا تو خدا نے اُن کے ننگے پن کو ڈھانپنے کے لئے کسی جانور کی کھال کھینچی اور اُن کے لئے لباس تیار کیا۔ اِس کا ذکر ہم پیدائش ۳: ۲۱ میں یوں پڑھتے ہیں:

"اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے

کے کُرتے بنا کر اُن کو پہنائے۔"

یہ گناہوں کی معافی کے لئے قربانی کا پہلا تصور تھا جو خدا نے دیا۔ یہ ایک واضح اشارہ تھا کہ خُدا آئندہ گناہوں کی معافی کے لئے کونسا طریقہ اختیار کرے گا۔ لیکن قربانی صرف گناہوں کی معافی کے لئے ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ اس کے ذریعہ خدا کی پرستش بھی کی جاتی تھی، کیونکہ اُس وقت تک پرستش کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں تھا۔ مثلاً جب حضرت نوح کشتی سے باہر آئے تو اُنہوں نے شکرگزاری کے طور پر سوختنی قربانیاں چڑھا کر خدا کی پرستش کی۔

"تب نوح نے خداوند کے لئے ایک مذبح بنایا اور سب پاک چوپایوں اور پاک پرندوں میں سے تھوڑے سے لے کر اُس مذبح پر سوختنی قربانیاں چڑھائیں" (پیدائش ۸: ۲۰)۔

حضرت ابرہام اور دیگر بزرگ بھی اِسی طرح خدا کی پرستش کیا کرتے تھے:

"وہاں اُس (حضرت ابرہام) نے خُداوند کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند سے دُعا کی" (پیدائش ۱۲: ۸؛ مزید دیکھئے پیدائش ۳۳: ۲۰)۔

لیکن جب خدا نے بنی اسرائیل کو شریعت دی تو واضح طور پر بتا دیا کہ گناہوں کی معافی کے لئے کس طریقے سے اور کس قسم کے جانور کی قربانی دی جائے۔ چنانچہ ہم توریت کی کتاب احبار میں پڑھتے ہیں کہ:

"خداوند نے خیمۂ اجتماع میں سے موسیٰ کو بلا کر اُس سے کہا بنی اسرائیل سے کہہ کہ جب تم میں سے کوئی خداوند کے لئے چڑھاوا چڑھائے تو تم چوپایوں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری کا چڑھاوا چڑھانا۔

اگر اُس کا چڑھاوا گائے بیل کی سوختنی قربانی ہو تو وہ بے عیب نر کو لا کر اُسے خیمۂ اجتماع کے دروازے پر چڑھائے تاکہ وہ خود خداوند کے حضور مقبول ٹھہرے۔ اور وہ سوختنی قربانی کے جانور کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے۔ تب وہ اُس کی طرف سے مقبول ہوگا تاکہ اس کے لئے کفارہ ہو۔"

(احبار ۱: ۱-۴)۔

توریت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر قسم کا جانور قربانی کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ اس کے لئے مخصوص شرائط تھیں۔ اور جو جانور اُن شرائط پر پُورا نہ اُترتا اور کوئی اُسے قربانی کے طور پر چڑھاتا تو یہ ایک مذہبی جرم تھا۔ توریت مُقدس میں لکھا ہے:

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔ ہارون اور اُس کے بیٹوں اور سب بنی اسرائیل سے کہہ کہ اسرائیل کے گھرانے کا یا اُن پردیسیوں میں سے جو اسرائیلیوں کے درمیان رہتے ہیں جو کوئی شخص اپنی قربانی لائے خواہ وہ کوئی منت کی قربانی ہو یا رضا کی قربانی جسے وہ سوختنی قربانی کے طور پر خداوند کے حضور گذرانا کرتے ہیں تو اپنے مقبول ہونے کے لئے تم بیلوں یا برّوں یا بکروں میں سے بے عیب نر چڑھانا۔ اور جس میں عیب ہو اُسے نہ چڑھانا کیونکہ وہ تمہاری طرف سے مقبول نہ ہوگا۔ اور جو کوئی اپنی منت پوری کرنے کے لئے یا رضا کی قربانی کے طور پر گائے بیل یا بھیڑ بکری میں سے سلامتی کا ذبیحہ خداوند کے حضور گذرانے تو وہ جانور مقبول ٹھہرنے کے لئے بے عیب ہو۔ اُس میں کوئی نقص نہ ہو۔ جو اندھا یا شکستہ عضو یا لُولا ہو یا جس کے رسولی یا کھُجلی یا پپڑیاں ہوں، ایسوں کو خداوند کے حضور

نہ چڑھانا اور نہ مذبح پر اُن کی آتشین قربانی خداوند کے حضور گذراننا۔ جس بچھڑے یا برّے کا کوئی عضو زیادہ یا کم ہو اُسے تو رضا کی قربانی کے طور پر گذران سکتا ہے پر منت پوری کرنے کے لئے وہ مقبول نہ ہوگا۔ جس جانور کے خُصئے کچلے ہوئے یا چُور کئے ہوئے یا ٹوٹے یا کٹے ہوئے ہوں اُسے تم خداوند کے حضور نہ چڑھانا اور نہ اپنے ملک میں ایسا کام کرنا۔ اور نہ اِن میں سے کسی کو لیکر تم اپنے خدا کی غذا پردیسی یا اجنبی کے ہاتھ سے چڑھوانا کیونکہ ان کا بگاڑ اُن میں موجود ہوتا ہے۔ اُن میں عیب ہے۔ سو وہ تمہاری طرف سے مقبول نہ ہوگا" (احبار ۲۲: ۱۷-۲۵)۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانور کو ہر عیب، ہر نقص سے پاک ہونا ضرور تھا، ورنہ وہ مقبول نہیں ہو سکتی تھی۔ بعینہٖ جب خدا نے انسان کے گناہوں کا کفارہ دیا تو ایک بے عیب اور بے گناہ ہستی کو چُنا۔ اُس ہستی کا نام یسوع مسیح ہے۔ لہٰذا اُس بے گناہ ہستی اور خدا کے برّہ نے جس میں گناہ کا شائبہ تک نہیں ہم گنہگاروں کی خاطر قربانی دی۔

۵۔ خدا کا برّہ

جب یوحنا بپتسمہ دینے والے یعنی حضرت یحییٰ نے المسیح کو دیکھا تو بے ساختہ پکار اُٹھے: "دیکھو یہ خدا کا برّہ ہے جو دنیا کا گناہ اُٹھا لے جاتا ہے" (یوحنا ۱: ۲۹)۔

آپ نے اِس چھوٹے سے جملے میں حقیقتوں کا دریا سمو دیا۔ آپ نے

دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ اِن الفاظ سے حضرت یحییٰؑ نے المسیح کی شخصیت، اُس کی آمد کے مقصد اور کام پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ حضرت یحییٰ کی اپنی ذاتی رائے نہیں تھی۔ اُنہوں نے خدا کے ایک برگزیدہ نبی کی حیثیت سے خدا کے الہام سے یہ الفاظ کہے۔ اِن الفاظ کو سمجھنے کے لئے اِن کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ اِن الفاظ کے پیچھے پُورے پُرانے عہد نامہ یعنی توریت، زبور اور انبیاء کے صحائف کی تعلیم ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب توریت شریف میں قربانی کا حکم دیا گیا تو قربانی کے جانور کے لئے دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ تھی کہ وہ بے عیب ہو۔ جانور کے بے عیب ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی تھی کہ خُدا خود بے عیب ہے۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ اُس میں کوئی کجی اور خامی نہیں۔ اِس لئے وہ صرف ایسی قربانی قبول کر سکتا ہے جو عیب سے مبرّا اور پاک ہو۔ یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ خدا کوئی عیب دار قربانی قبول کرے۔ بریں بنا شریعت کا زور اس بات پر رہا کہ قربانی کا جانور ہر قسم کے عیب سے پاک ہو۔

زمانۂ شریعت کی کہانت میں کاہن لوگ اِس قسم کی قربانیاں گنہگاروں کی طرف سے خود اپنی طرف سے اور قوم کی طرف سے گزرانتے تھے۔ یہ اس بات کا اعتراف تھا کہ کوئی شخص بھی گناہ سے پاک نہیں۔ جبکہ ایک طرف اِن قربانیوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ تمام انسان گنہگار ہیں تو دوسری طرف اس کے بار بار عمل سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اگرچہ خدا انسان کے ہاتھوں سے یہ قربانیاں قبول کرتا ہے لیکن درحقیقت جانوروں کا یہ خون اُس کے گناہ دھونے سے قاصر ہے۔ یہ اس بات کا اعتراف تھا کہ ہمیں کسی ایسی قربانی کی ضرورت ہے جو حقیقتاً ہمارے گناہوں کا کفارہ دے سکے یعنی وہ ہماری جگہ موت سہے۔

خدا نے اِس کا اِنتظام ابتدائے عالم سے کر رکھا تھا اور پرانے عہد نامہ کی قربانیوں میں جو کہ عارضی تھیں اِس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ نیز اُس نے اپنے انبیاء کی معرفت بھی بتلایا۔ چنانچہ حضرت یسعیاہؑ نے اُس ہستی کے بارے میں جو بطور برّہ قربان ہونے والا تھا اور جسے دکھ اٹھانے والے خادم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یُوں فرمایا:

"اُس نے ہماری مشقتیں اُٹھالیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا۔ پر ہم نے اُسے خدا کا مارا کُوٹا اور سِتایا ہُوا سمجھا۔ حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھائل کیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کے لئے اُس پر سیاست ہوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم شِفا پائیں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لادی۔

وہ سِتایا گیا تو بھی اُس نے برداشت کی اور مُنہ نہ کھولا۔ جس طرح برّہ جسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں اور جس طرح بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے سامنے بے زبان ہے، اُسی طرح وہ خاموش رہا۔ وہ ظلم کر کے اور فتویٰ لگا کر اُسے لے گئے پر اس کے زمانہ کے لوگوں میں سے کس نے خیال کیا کہ وہ زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا؟ میرے لوگوں کی خطاؤں کے سبب سے اُس پر مار پڑی۔ اس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی اور وہ اپنی موت میں دولت مندوں کے ساتھ ہُوا۔ حالانکہ اُس نے کسی طرح کا ظلم نہ کیا اور اُس کے منہ میں ہرگز چھل نہ تھا"

(یسعیاہ ۵۳ : ۴-۱۹)۔
یہ پیشین گوئی خداوند مسیح کے بارے میں تھی۔ خدا نے اُسے اسی کام کے لئے چُنا تھا کہ وہ دکھ اٹھائے اور اُس نے یہ کام بخوبی انجام دیا۔ چونکہ وہ واحد بے عیب اور بے گناہ تھا اسی لئے اس کا انتخاب کیا گیا۔ بریں بنا حضرت یحییٰ نے اُسے دیکھتے ہی کہا کہ "دیکھو خدا کا برّہ"۔ اس برّے کا انتخاب خود خدا نے کیا تھا۔

حضرت یحییٰ کے اِن الفاظ کے ساتھ ہی سارا پرانا عہدنامہ ہماری نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ جس طرح اُس زمانہ میں عارضی نظام کے تحت ایک جانور ایک گنہگار کے لئے اپنی جان دیتا تھا اُسی طرح اس زمانہ میں خدا نے بطور برّہ مسیح کو چُنا تاکہ وہ ہمارے لئے ایک حقیقی اور دائمی قربانی دے۔

حضرت یحییٰ مسیح کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ دنیا کے گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔ مسیح کی یہ قربانی خاص قوم اور جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پوری دنیا اور پوری کائنات اُس کے دائرۂ عمل میں ہے۔ دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جس کی خاطر اُس نے قربانی نہ دی ہو۔ ایشیا سے لے کر امریکہ تک اور قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک کے انسانوں کی خاطر اُس نے اپنی جان دی۔ اُس کی قربانی ہمہ گیر اور عالمگیر ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ زمانۂ سابق کی قربانیاں اگرچہ خدا قبول کرتا تھا لیکن بکروں اور بیلوں کا خون گناہ کے وجود کو مٹانے سے قاصر تھا۔ اُس وقت یہ قربانیاں ہر روز اور سال بہ سال دُہرائی جاتی تھیں لیکن مسیح کی قربانی ایسی نہیں۔ حضرت یحییٰ کے الہامی الفاظ میں خدا کا یہ برّہ دنیا کا گناہ اُٹھا لے جاتا ہے۔ ہمارے گناہ پر صرف پردہ نہیں ڈال دیا جاتا۔ انہیں

صرف خون کی تہ میں چھُپا نہیں دیا جاتا۔ اِن سے صرف پردہ پوشی نہیں کی جاتی۔ خدا اُن گناہوں سے صرف نظریں پھیر کر اپنی رحمت کی طرف نہیں دیکھنے لگ جاتا بلکہ اُس برّے کا خون ہمارے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ اُنہیں صاف کر دیتا ہے۔ اُنہیں اُٹھا لے جاتا ہے کہ اُن کا وجود نہیں رہتا۔ خدا ہمارے گناہوں سے صرف وقتی طور پر چشم پوشی نہیں کرتا بلکہ برّے کا خون ہمیں اِس طرح پاک صاف کرتا ہے کہ ان گناہوں کا نام و نشان نہیں رہتا۔ اب جبکہ گناہوں سے مکمل معافی کا طریقہ خدا نے واضح کر دیا ہے تو انسان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اپنی ذاتی کوششوں اور کاوشوں کو چھوڑ کر خدا کے برّے کو جو دنیا کا گناہ اٹھا لے جاتا ہے قبول کرے اور اِس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گناہ کی بیماری سے شفا پا لے اور خدا کی رحمت کا مستحق ٹھہرے۔

۶۔ صلیب اور کفّارہ

پولُس رسول نے خدا کے الہام سے فرمایا کہ "صلیب کا پیغام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک تو بیوقوفی ہے" (۱۔کرنتھیوں ۱: ۱۸)۔ کسی بھی گنہگار انسان کی عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ خدا دنیا سے ایسی محبت رکھ سکتا ہے کہ وہ اپنے محبوب بیٹے یسوؔع مسیح کو بنی نوع انسان کی خاطر جان دینے کے لئے بھیج دے اور پھر موت بھی ایسی ہو جسے سُن کر سینہ پھٹ جائے۔ اِس لئے مخالفین نے اِس تاریخی واقعہ سے انکار کے مختلف طریقے گھڑ لئے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ یہ سب کچھ اس لئے کہا گیا کہ مسیح کی صلیبی موت کا اقرار، دراصل انسان کے اپنے گنہگار ہونے کا

اعتراف ہے۔ یہی تو انسان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ وہ اپنے گنہگار ہونے کا اعتراف نہیں کرتا، کیونکہ گنہگار ہونے کا احساس اُسے نجات دہندہ کی ضرورت کا اِحساس دِلاتا ہے۔

غرض لوگ کسی نہ کسی طریقے سے مسیح کی صلیبی موت کا انکار کرتے اور خدا کے اِس مقررہ طریقہ، قربانی کو ٹھکراتے رہے۔ ہم ایسے طبعی اِنسانوں سے اِس کے علاوہ اور کوئی توقع نہیں کر سکتے کیونکہ صلیب کا پیغام تو ہلاک ہونے والوں کے لئے بے وقوفی ہے۔

کتابِ مُقدّس ہمیں صاف اور واضح الفاظ میں بتاتی ہے کہ مسیح کو مصلُوب کیا گیا اور خُدا کے اِس برگزیدہ نے اپنی جان صلیب پر دی۔ یہ سب کچُھ اُس نے بنی نوعِ اِنسان کی محبت کی خاطر کیا۔ تاریخ اِس بات پر شاہد ہے کہ مسیح کو مصلوب کیا گیا۔ مسیح نے حقیقتاً اپنی جان انسان سے محبت رکھنے کی وجہ سے دی۔

یہودی، یسوؔع ناصری کے شدید ترین مخالف تھے۔ اُس کا وجُود اُنہیں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ پس اُنہوں نے اُسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے رومی حکومت کا سہارا لیا اور اُس سراپا محبّت پر کُفر کا فتویٰ لگایا۔ لیکن اس فتویٰ کی بِنا پر اُسے قتل تو نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ سزائے موت کو عملی جامہ پہنانا حکومت کا کام تھا۔ چونکہ یہودی مسیح کو ضرور ہی ہلاک کرنا چاہتے تھے اِس لئے اُنہوں نے اُس پر بغاوت کا الزام لگایا اور اِس الزام کے تحت رومی حکومت نے موت کی سزا سُنا دی اور مصلُوب کر دیا۔

یہودی مؤرخ یوسیفس اِس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یسوؔع کو مصلوب کیا گیا۔ یہودی جو کہ مسیح کے دعوؤں کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے اور اُس کی

مخالفت کرتے تھے، اپنی مخالفت کے باوجود اِس تاریخی حقیقت سے اِنکار نہ کر سکے۔ یہودیوں کی طرح دوسرے گواہ رومی ہو سکتے ہیں جنہوں نے مسیح کو مصلوب کیا۔ رومی مؤرّخ اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ایک شخص بنام یسوؔع کو بغاوت کے الزام میں صلیب دی گئی تھی۔ تَسِتُس تو یہاں تک کہتا ہے کہ مسیح کو پنطیُس پیلاؔطُس کی گورنری میں صلیب دی گئی۔ سوِتونیس نے بھی اس واقعہ کا اِعتراف کیا ہے۔

مسیح کے ہمعصر، اگرچہ مسیح کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، لیکن اُس کی صلیبی موت سے اِنکار نہ کر سکے کیونکہ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا اور اِس کے عینی شاہد بھی موجود تھے۔ مسیح کی صلیبی موت سے اِنکار تاریخ کی روشنی میں ممکن ہی نہیں۔ اُس دور کے مخالفین اور معتقدین دونوں اِس بات پر متفق ہیں کہ مسیح نے صلیب پر اپنی جان دی۔ یہودیوں نے مسیح کو ایسی موت کا مستحق سمجھا، لیکن ایمانداروں کے نزدیک یہ ایک عظیم قربانی تھی جو اُس محبت کے پیشِ نظر دی گئی جو خدا کو بنی نوعِ انسان سے ہے۔

معزز قارئین! اگر ہم مسیح کی صلیبی موت کو صرف تاریخی حیثیت سے مانیں تو ہمیں اس سے کچھ فائدہ نہیں، کیونکہ اِس سے تو یہودیوں اور رومیوں کو بھی انکار نہیں۔ اہم بات یہ جاننا ہے کہ مسیح نے اپنی جان کیوں دی؟ اِس "کیوں" والے معاملے میں تاریخ ہماری کچُھ مدد نہیں کرتی۔ اِس سلسلے میں صرف بائبل ہی ایک واحد ذریعہ ہے جو مدد کر سکتی ہے۔ بائبل بتلاتی ہے کہ مسیح کی موت صرف موت ہی نہیں بلکہ قربانی بھی ہے جو گناہ کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کی خاطر دی گئی۔ جس طرح دلدل میں پھنسا ہُوا انسان اپنے آپ کو دلدل سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی ہر کوشش

اُسے مزید دلدل میں پھنسا دیتی ہے، اُسی طرح انسان کی تمام کوششیں اُسے گناہ کی دلدل سے نہ نکال سکیں۔ جس طرح دلدل میں پھنسا ہُوا انسان اس بات کا محتاج ہے کہ کوئی اُسے باہر نکالے، اُسی طرح گنہگار انسان کی نجات اور چھٹکارے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی بے گناہ اور معصوم اُسے اپنی جان پر کھیل کر باہر نکالے۔ یہی صلیب کا پیغام ہے کہ ایک بے گُناہ نے ہم گنہگاروں کی خاطر اپنی جان دے دی تاکہ ہم بچ جائیں۔ محبت قربانی دیتی ہے اور الٰہی محبت نے الٰہی قربانی دی۔ اُس خداوند کا شکر ہو جس نے بنایِ عالم سے پیشتر اِس دنیا سے محبت رکھی اور اِس کی نجات کی خاطر ابتدا ہی سے اہتمام کیا کہ وقت آنے پر اُس کا محبوب اُس کا پیارا اِنسانوں سے محبت کرتا ہُوا، اپنی جان دے دے۔

۷۔ مسیح کی موت اور قیامت

خدا کے انتظام کے مطابق تاریخ کا وہ لمحہ آ پہنچا جس کے لئے خُدا کا محبوب دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ وہ وقت آ گیا جس کی طرف پہلے زمانے کے نبیوں نے اشارہ کیا تھا۔ وہ مقصد پُورا ہونے کو آیا جس کی خاطر تاریخ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی۔ خُدا کے بّرے یعنی مسیح کی قربانی کا لمحہ آ پہنچا۔ لیکن یہ کیا؟ وہ جو ساری دنیا کو گناہ کے بند سے آزاد کرنے کے لئے آیا اُسے خود گرفتار کر لیا گیا۔ وہ جو زندگی بھر سنجیدہ رہا اُس سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ وہ جو اندھوں کے لئے آنکھیں تھا اُس کی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی۔ وہ جس نے آج تک اپنے دشمنوں پر پھولوں کی بارش کی،

آج اُسے کانٹوں کا تاج پہنایا جا رہا ہے۔ وہ جس نے اپنے مخالفوں پر کبھی ہاتھ نہ اٹھایا، آج اُس پر کوڑے برسائے جا رہے ہیں۔ وہ جو لوگوں سے کہتا تھا کہ "اے محنت اُٹھانے والوں اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تُم کو آرام دوں گا" آج اُسے صلیب کی دو بھاری لکڑیوں کے بوجھ کے نیچے دبایا جا رہا ہے۔ وہ جو بنی نوعِ انسان پر بِلا امتیازِ رنگ و نسل و مذہب، خدا کی برکتیں نازل کرتا رہا، آج خدا کے بندوں نے اُس پر صلیب لاد دی۔ وہ جو لوگوں کو دوبارہ زندگی بخشتا تھا آج خود اُس سے زندہ رہنے کا حق چھینا جا رہا ہے۔ وہ جو دنیا کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اُس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اُسے صلیب پر سے اُتر آنے کے مشورے دیئے جا رہے ہیں۔ اُسے دو ڈاکوؤں کے درمیان مصلوب کیا جا رہا ہے اور یہ ڈاکو بھی اُسے لعنت ملامت کر رہے ہیں۔ رحمت اللعالمین کا استقبال استہزا و تمسخر سے کیا جا رہا ہے۔ لیکن سنئے تو سہی اُس کی زبانِ مبارک سے کیا الفاظ ادا ہو رہے ہیں:

"اے باپ! اِن کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں" (لوقا ۲۳: ۳۴)۔

وہ زندگی اور موت کے درمیان اِس مختصر ترین لمحے میں بھی اُن لوگوں کے لئے معافی کی دعا مانگ رہا ہے۔

وہاں ایک ڈاکو نے بھی جو اُس کے ساتھ مصلوب کیا گیا تھا اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے کہا:

"اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا"۔

مسیح نے اُسے جواب دیا:

"مَیں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تُو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا" (لُوقا ۲۳: ۴۳)۔

اب وہ لمحہ آ پہنچا جبکہ صلیب پر سے مسیح کی آخری آواز سنائی دی کہ "اے باپ مَیں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"، اور یہ کہہ کر اُس نے دم دے دیا۔

یہ سب کچھ کیسے ہوگیا؟ زندگی کے بانی کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟ کیا یہ سب کچھ ایک حادثہ تھا؟ حادثہ وہ ہوتا ہے جس کا پہلے سے علم نہ ہو۔ لیکن مسیح تو سب کچھ جانتا تھا کہ کیا ہوگا۔ اُس نے بارہا اپنے حواریوں سے کہا کہ اُسے ضرور ہے کہ وہ یرُوشلیم کو جائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھائے اور قتل کیا جائے (متی ۱۶: ۲۱)۔ وہ تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ابنِ آدم آدمیوں کے حوالے کیا جائے گا اور وہ اُسے قتل کریں گے (مرقس ۹: ۳۱)۔

اُس کی زندگی وہ آئینہ تھی کہ لوگوں کو اُس میں اپنے گناہ صاف نظر آنے لگے اور ناپاکی کے لئے پاکیزگی کا وجود برداشت کرنا دوبھر ہوگیا۔ اب اِن لوگوں کے لئے ایک ہی راستہ کھُلا تھا کہ وہ پاکیزگی کے اس مجسمہ کو راستے سے ہٹا دیں لیکن اِس کے باوجود اُس کے مخالفین کو اطمینان حاصل نہ ہوسکا۔ اِس بات کی تصدیق کرلی گئی کہ اُس نے واقعی صلیب پر جان دے دی ہے۔ لیکن مزید اطمینان کی خاطر اس کی پسلی میں نیزہ مارا تو خون اور پانی بہہ نکلا۔ اُسے قبر میں رکھ دیا گیا۔ لیکن دِل بار بار کہتا تھا کہ کسی چیز کی کمی رہ گئی ہے۔ اِس لئے وہ حاکم وقت کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ

انہیں سپاہیوں کا ایک دستہ دیا جائے تاکہ وہ قبر کی حفاظت کرسکیں کیونکہ اُس نے کہا تھا کہ وہ تیسرے دن جی اٹھے گا (متی ۲۷: ۶۳)۔

یہ تاریخ کا عجیب ترین واقعہ ہے کہ کسی کی قبر کی اس طرح نگہبانی کی گئی ہو۔ اُنہوں نے اُسے مُردے زندہ کرتے دیکھا تھا، اِس لئے اُن کے دل میں ایک کھٹکا سا پیدا ہوچکا تھا کہ کہیں وہ خود بھی زندہ نہ ہوجائے۔ لیکن اِس احتیاط کے باوجود وہی کچھ ہُؤا جس کا اُنہیں خدشہ تھا کہ وہ تیسرے دِن مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اور نہ صرف وہ جی اُٹھا بلکہ مختلف لوگوں پر اپنے آپ کو ظاہر بھی کیا۔ عورتوں نے اُسے مرنے کے بعد زندہ حالت میں دیکھا۔ اُس کے حواریوں نے اُسے دیکھا جو اُسے پہچاننے میں غلطی نہیں کھا سکتے تھے۔ وہ ایک وقت میں پانچ سو آدمیوں کو دکھائی دیا۔ اِس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسیح کا ایک حواری کہتا ہے:

"مسیح کتابِ مُقدّس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مُؤا۔ اور دفن ہُؤا اور تیسرے دِن کتابِ مُقدّس کے مطابق جی اُٹھا۔ اور کیفا کو اور اُس کے بعد اُن بارہ کو دکھائی دیا۔ پھر پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دِکھائی دیا جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے۔ پھر یعقوب کو دکھائی دیا۔ پھر سب رسولوں کو۔ اور سب سے پیچھے مجھ کو جو گویا ادھورے دِنوں کی پیدائش ہوں دِکھائی دیا"

(۱-کرنتھیوں ۱۵: ۳-۸)۔

جس واقعہ کے اتنے عینی شاہد موجود ہوں، اُس کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے! اِس لئے ہمارا ایمان یہ ہے کہ مسیح نے صلیب پر اپنی

جان دی اور تیسرے دن جی اُٹھا۔ یہ سب کچھ کتابِ مُقدّس یعنی عین خُدا کے پروگرام کے مطابق تھا۔ خدا نے بنی نوعِ انسان پر رحم کرتے ہوئے اُن کی نجات کی خاطر یہ انتظام کیا تھا کہ اُس کا محبوب، اُس کا پیارا لوگوں کی خاطر اپنی جان دے۔ اور مُردوں میں جلا کر اُس نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ یہ قربانی قبول کی جا چکی ہے۔ موت جو انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے، مسیح نے اُس پر فتح پائی۔ اب ہمیں کسی خوف، کسی ڈر، کسی خدشے کی ضرورت نہیں اب ہم بڑے سکون سے موت کو گلے لگا سکتے ہیں، کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ جو موت پر فاتح ہُوا وہ ہمیں بھی زندہ کرے گا۔ خدا آپ کو بھی خداوند مسیح پر ایمان لانے کی توفیق بخشے۔ آمین

حاصلِ کلام

قارئینِ کرام! آپ کو علم ہی ہو گا کہ ہر مذہب کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کی رُوح نجات پائے۔ نجات کی ضرورت اِس لئے پیش آئی کیونکہ انسان گنہگار ہے۔ اب چونکہ خدا سراسر پاک ہے اس لئے وہ گناہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب حضرت آدمؑ سے گناہ سرزد ہُوا تو خدا نے اُسے اپنی حضوری سے نکال دیا۔ یوں خدا اور انسان میں جدائی پیدا ہو گئی۔ خدا سے جدائی ہی روحانی موت ہے یعنی انسان روحانی طور پر مر گیا۔

لیکن چونکہ خدا انسان سے محبت رکھتا ہے اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو۔ پس اُس نے انسان کی نجات کا انتظام کیا۔ یہ اُس نے اس لئے کیا کیونکہ انسان گنہگار ہونے کے باعث از خود اپنی مساعی سے نہیں بچ سکتا۔ چونکہ انسان کی طبیعت میں گناہ رچا بسا ہوا ہے۔ اِس لئے اُس سے کوئی نیکی سرزد ہو ہی نہیں سکتی، ایسی جو کہ خدا کی نظروں میں مقبول ٹھہرے۔ بدیں وجہ کلامِ پاک میں لکھا ہے کہ

"حبشی اپنے چمڑے کو یا چیتا اپنے داغوں کو بدل سکے تو تُم بھی جو بدی کے عادی ہو نیکی کر سکو گے" (یرمیاہ ۱۳: ۲۳)۔

پس خدا نے وہ کام کیا جو انسان سے نہیں ہو سکتا تھا تاکہ خدا اور انسان کی ٹوٹی ہوئی رفاقت پھر بحال ہو سکے اور انسان ابدی ہلاکت سے بچ جائے۔

ابتدا میں خدا نے گناہوں کی معافی کے لئے جو طریقہ مقرر کیا وہ قربانی تھا۔ لیکن یہ انتظام عارضی تھا جو ایک کامل انتظام کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ عہدِ عتیق کے زمانہ تک لوگ اسی طریقے سے اپنے گناہوں کی معافی حاصل کرتے رہے۔ لیکن جب وقت پورا ہو گیا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ اُس کا یہ عارضی انتظام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ المسیح کا یہ تجسم اس لئے تھا کہ وہ کامل انسان ہوتے ہوئے گنہگار انسان کے گناہ اپنے اوپر اٹھا لے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ موت سہے کیونکہ گناہ کی مزدوری موت ہے۔

پس مسیح خداوند نے رضاکارانہ صلیبی موت سہی اور انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ خدا نے اِس کفارہ کو قبول کر لیا اور اِس کی تصدیق مسیح خداوند کو مُردوں میں سے زندہ کر کے کی۔

مسیح خداوند نے گنہگار انسانوں کے لئے راہِ نجات مہیّا کر دی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے آپ کو گنہگار جانتے ہوئے اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور مسیح پر ایمان لے آئے کہ اُس نے اس کے گناہ اپنے اوپر اٹھا لئے ہیں تو اُسے نجات مل جاتی ہے اور وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔